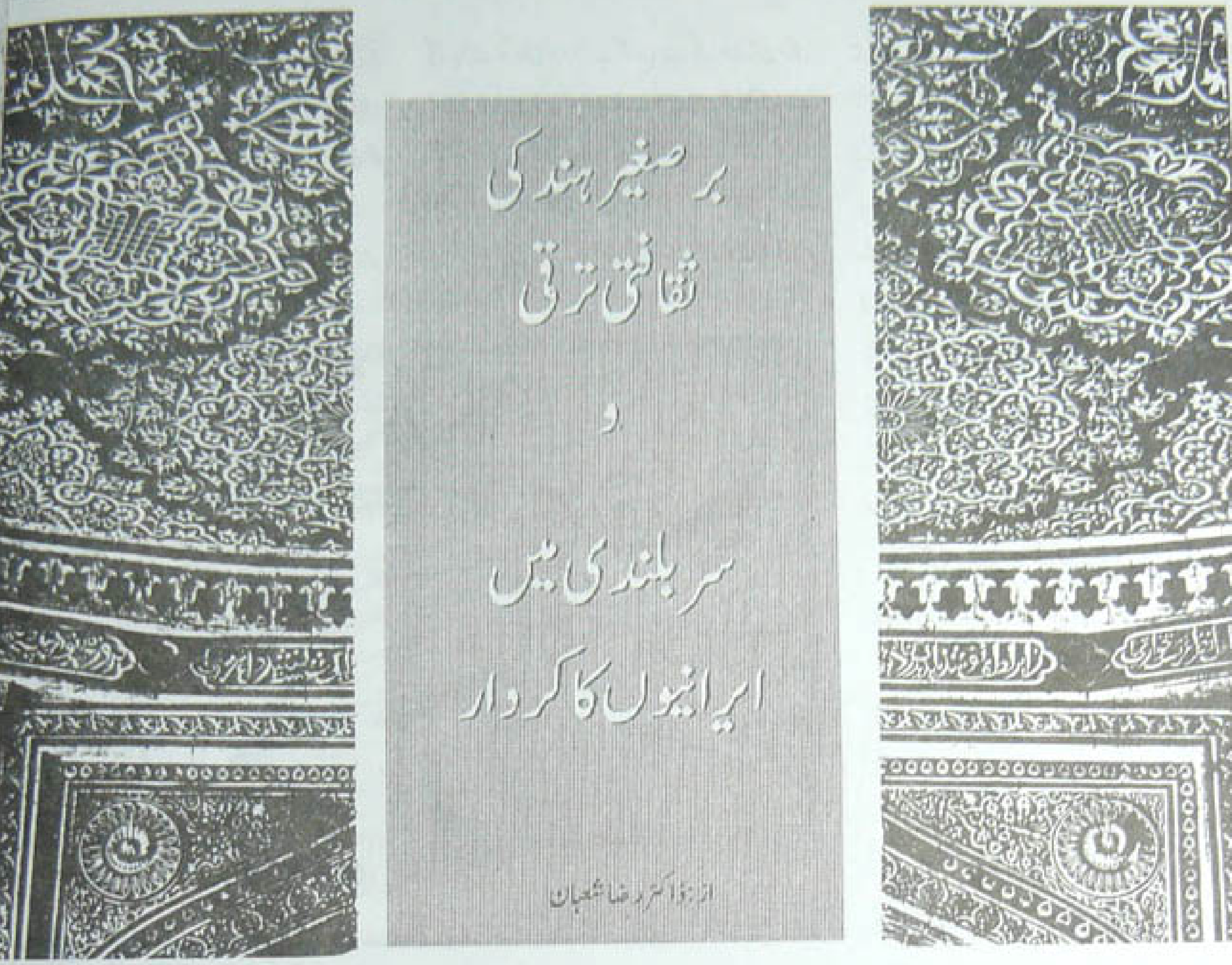

ہندستان اور ایران کے درمیان باہمی روابط کی تاریخ نئی نہیں بلکہ بہت پرانی ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان روابط کی قدامت کی تاریخ دونوں ملکوں کے عوام کی زندگی سے وابستہ ہے۔ مختلف النوع سماجی، سیاسی، ثقافتی اور اقتصادی شعبوں میں دونوں ممالک کے باہمی روابط کی بنیاد اتنی مستحکم ہے کہ آئندہ صدیوں میں بھی یہ تعلقات اسی طرح برقرار رہیں گے اور آپسی قربت و نزدیکی اور مختلف النوع مشترکات کی وجہ سے دونوں ملکوں کے لوگ ان دیرینہ روابط کی حفاظت کرتے رہیں گے۔

اگرچہ یہ بات آج بھی واضح نہیں ہو سکی ہے کہ موہن جوداڑو اور دراوڑی جیسی ابتدائی انسانی تہذیبوں کا سرزمین ایران کے مختلف قدیم علاقوں مثلاً سیستان کے سوختہ شہروں، یاتل وایلیین اور بالخصوص ایلام کی ترقی یافتہ تہذیب و ثقافت کے ساتھ قربت و نزدیکی کے اسباب و عوامل کیا تھے لیکن سندھ اور پنجاب کے علاقوں میں آباد قوموں اور ایران کے جنوبی، مرکزی اور مشرقی حصے کے لوگوں کے درمیان بہت سی چیزوں میں مشابہت دکھائی دیتی ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان روابط کی تاریخ، تاریخ سے بھی زیادہ قدیم ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ دونوں اقوام کے درمیان موجود یہ مشابہت ماہرین آثار قدیمہ اور اقوام عالم کی تہذیب و ثقافت پر گہری نظر رکھنے والوں کو دعوت فکر و تحقیق دیتی ہے کہ شہر سازی کے میدان میں نیز مٹی کے برتنوں اور پتھروں کے استعمال کے سلسلے میں دونوں قوموں کے درمیان موجود مماثلت کا مزید تجزیہ کریں اور انھیں محض اتفاق یا توارد خیال نہ کریں۔

ماقبل تاریخ ادوار کے بعد واضح تاریخی زمانوں کے دوران یعنی مغربی اور جنوبی ایشیاء کے مختلف اہم

علاقوں میں آریائی قوم کی موجودگی میں ہندوستان اور ایران کے درمیان گہرے اور نزدیکی روابط کی نشاندہی ہوتی ہے اور یہ پتہ چلتا ہے کہ دونوں قوموں نے اس وسیع علاقے میں ان روابط کو پوری طرح محفوظ رکھا اگرچہ ملکی مسائل اور بعض تاریخی حوادث کی وجہ سے ان دونوں قوموں کے درمیان اختلافات بھی پیدا ہوئے لیکن ان اختلافات کا ان کے باہمی روابط پر کوئی خاص اثر مرتب نہ ہوا اور دونوں قوموں کے درمیان جو گہرے اور قریبی تعلقات قائم ہوئے ان کے بنیادی اصول و ضوابط کم و بیش آج بھی محفوظ ہیں اور ان روابط کے اہم اور نمایاں حصوں کو اجمالی طور پر اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے:

۱۔ قومی تعلقات کے اعتبار سے دیکھا جائے تو ایک بہت بڑے علاقے میں آباد قوموں کے درمیان غیر معمولی نزدیکی روابط موجود تھے چونکہ دونوں علاقوں یعنی سرزمین ہند و ایران میں آریائی عناصر کی اکثریت تھی لہٰذا علاقے کے وسیع حصے پر آریائی قوم کی حکومت تھی۔

۲۔ چونکہ تسلیم شدہ تاریخی سرحدوں کا کوئی باقاعدہ نظام نہیں تھا لہٰذا دریائے سندھ اور پنجاب کے کناروں تک لوگ مختلف حکومتی جماعتوں کے زیر سایہ زندگی بسر کررہے تھے۔ اور برصغیر ہند کے سلسلے میں یہ بات بذات خود اس وقت اور زیادہ اہمیت اختیار کرلیتی ہے جب ہمیں اس حقیقت کا اندازہ ہوجائے کہ آج بھی برصغیر کو ۸۰ فیصد صنعتی محصولات انہیں دریاؤں کے کناروں پر واقع صنعتی اداروں سے حاصل ہورہی ہیں اور اس علاقے کے لوگ دیگر علاقوں کے نظم و انتظام میں نمایاں خدمات انجام دے رہے ہیں۔

۳۔ ہندوستانیوں اور ایرانیوں کو دریا پر غیر معمولی دسترس حاصل رہی ہے لہٰذا محض طویل و وسیع زمینی سرحدوں کے ذریعہ ہی نہیں بلکہ دریائی راستوں کا استعمال کرتے ہوئے دونوں ممالک کے لوگوں نے آپسی اقتصادی اور ثقافتی روابط کی بھرپور حفاظت کی ہے اور اسے ہر ممکن فروغ عطا کرنے میں ہمہ تن سرگرم رہے ہیں۔

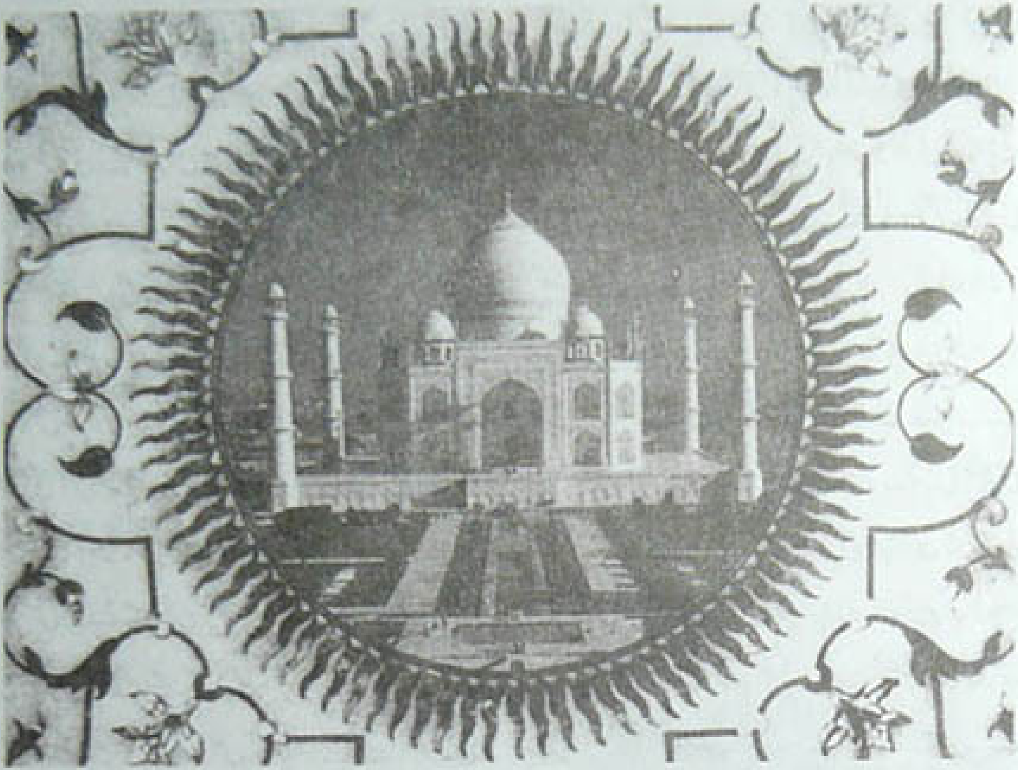

۴۔ باستانی سرچشمہ اور زبانی اشتراک کی وجہ سے دونوں ممالک کے لوگوں کے درمیان ایک دوسرے کو سمجھنے اور سمجھانے میں کوئی دشواری نہیں تھی اور اس باہمی مذاکرہ و گفتگو کا انجام بہر حال سمجھوتہ کی صورت میں نمودار ہونا ایک فطری امر ہے لہٰذا مشترکہ الفاظ و کلمات اور مضامین و عبارات کی تخلیق کی زمین ہموار ہوگئی اور بالخصوص شاعری کے میدان میں، جس میں غیر معمولی جاذبیت و دلکشی پائی جاتی ہے، مشترکہ کلمات و موضوعات کے بیان کو غیر معمولی فروغ حاصل ہوا۔

۵۔ ایران میں مذہب اسلام کی آمد کے بعد اس سرزمین میں غیر ایرانی حکومتوں بالخصوص دس صدیوں تک ترکوں، تاتاریوں، مغلوں، ازبکوں اور ترکموں کے اقتدار کی وجہ سے ایرانیوں نے ترک وطن کرکے برصغیر ہند کو اپنی اقامتگاہ بنانا شروع کردیا تھا۔

۶۔ غیر ایرانی حکمرانوں کے غلبہ واقتدار کی وجہ سے ایران میں ثقافتی اور مذہبی اختلافات کافی بڑھ گئے تھے دوسری طرف ہندوستان میں اس زمانے میں اعتدال پسندی سے کام لیا جارہا تھا لہٰذا ایرانی علماء و دانشور برصغیر ہند کی جانب کھنچے چلے آرہے تھے۔

۷۔ ایران سے رونما ہونے والی سیاسی و فوجی طاقتوں (غزنوی، غوری، گورکانی، نادرشاہی اور درانی) کے متعدد حملات اور چین کی سرحدوں کے اس پار سے ان کی دائمی حمایت کی وجہ سے حملہ آور جماعت پورے علاقے میں پھیل گئی تھی جس کے نتیجے میں فاتح اقوام کی زبان و ثقافت نیز مذہب اسلام

کو غیر معمولی فروغ حاصل ہو گیا اور ہندوستانی قوم نے بھی ان کے مراسم اور طرز زندگی کا باقاعدہ استقبال بھی کیا۔

لیکن جو ایرانی برصغیر ہندوستان کی طرف سفر اختیار کر رہے تھے اور اپنی دائمی زندگی کے لئے اس عمدہ و خوشگوار علاقے کا انتخاب کر رہے تھے وہ کم وبیش مندرجہ ذیل خصوصیات کے حامل تھے:

الف: فطری اعتبار سے وہ لوگ اپنے معاشرہ کی نمایاں شخصیت ہوا کرتے تھے اور علم وفضل اور عقل ودانشمندی کے میدان میں انہیں یگانہ روزگار تصور کیا جاتا تھا۔

ب: اسی طرح وہ لوگ غیر معمولی اخلاقی پونجی کے حامل تھے اور انہیں سماج کی نمایاں شخصیت کا درجہ بھی حاصل تھا اور ایسا محسوس کیا جاتا تھا کہ میزبان حکمراں ان کی اس صلاحیت کے بڑے قدر دان تھے اور وہ مناسب ومنہ مانگی قیمت ادا کر کے اپنی پسندیدہ چیز کو حاصل کرنے میں فخر وکامیابی محسوس کیا کرتے تھے۔

ج: اس قسم کے یگانہ روزگار افراد ہندوستانی معاشرہ میں بلند مقام ومرتبہ حاصل کر لیا کرتے تھے اور انہیں سماجی اعتبار سے اہم رتبہ حاصل ہوا کرتا تھا۔ اس سے پہلے بھی ایرانیوں کو برصغیر ہند میں بلند سیاسی اور فوجی مناصب حاصل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستانی دربار حکومت میں ایرانیوں کی بڑی تعداد رہا کرتی تھی اور فارسی زبان ماہرین علم وفن کے لئے ہر طرح کی سماجی اور اقتصادی سہولت وضمانت حاصل تھی جس کی وجہ سے دیگر ایرانی علماء ودانشور بھی ہندوستان کی طرف مائل ہو جایا کرتے تھے۔

د: سرزمین ہند میں ایرانی ماہرین علم ودانش کے غیر معمولی استقبال کے ساتھ ان کی زبان کو بھی پھلنے پھولنے کا موقع فراہم تھا اور فارسی زبان اپنی سادگی آسان قواعد 'موزونی کلام' سہولت آموزش 'انتقال مطلب کی استعداد اور غیر معمولی مقبولیت وجاذبیت کی وجہ سے نہ صرف خواص بلکہ اتنی بڑی آبادی والے ملک کے عوام کی زبان کا درجہ حاصل کئے ہوئے تھی اور عام لوگ اس کو عام بول چال نیز سرکاری زبان کی حیثیت سے قبول کئے ہوئے تھے۔

واضح رہے کہ فارسی زبان کی ترویج ومقبولیت کا یہ عالم تھا کہ اکثر علاقوں میں لوگ اس بات کو ترجیح دیا کرتے تھے کہ اہم اور یادگاری تصانیف اسی زبان میں لکھیں تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ ان کی تصنیف سے فائدہ حاصل کر سکیں۔ اس کے علاوہ علماء وماہرین علم وادب فارسی میں تقریر کرنا زیادہ مناسب خیال کیا کرتے تھے تاکہ لوگ ان کے بیانات سے خاطر خواہ متاثر اور لطف اندوز ہو سکیں۔ شرح مثنوی فارسی کے خاتمہ میں مندرجہ ذیل عبارت میں اس بات کی طرف یوں اشارہ کیا گیا ہے کہ "چونکہ زیادہ تر لوگ بنگالی زبان سے بخوبی واقف نہیں ہیں لہذا وہ اس داستان سے لطف اندوز نہیں ہو سکتے اسی وجہ سے اس قصہ کو فارسی زبان میں پیش کیا جا رہا ہے تاکہ زیادہ لوگ سے اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔ [ا]

اس کتاب کے ناشر نے ۱۲۸۹ھ ق میں ڈھاکہ میں اس کتاب کو شائع کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "یہ زمانہ بنگالی مسلمانوں کا طلائی دور تھا لیکن زمانہ اس قدر بدل چکا ہے کہ اگر آج ان مؤلفین کی اولاد کو بنگالی زبان کے علاوہ دوسری زبان میں کوئی خط ارسال کیا جائے تو وہ اس خط کا جواب نہیں دیتے۔" [۲]

ہ: فارسی زبان فقط ارباب حکومت یعنی سیاسی اور فوجی عہدیداروں کے درمیان رابطہ وواسطہ کی زبان نہ تھی بلکہ اس زبان نے مذہب اسلام کی تبلیغ واشاعت میں بھی نمایاں کردار ادا کیا تھا اور آج بھی برصغیر ہند کی ایک تہائی آبادی کا اسی مذہب سے سروکار ہے لہذا معاشرہ کے پڑھے لکھے لوگ فارسی زبان سے بخوبی وابستہ رہا کرتے۔ اس کے علاوہ بے شمار شواہد موجود ہیں جن کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ صرف مسلمان مذہبی علماء ہی نہیں بلکہ ہندو مذہب کے نامور علمائے دین بھی اپنے عالمانہ فضل وکمال کو ظاہر کرنے کے لئے فارسی زبان میں غیر معمولی مہارت حاصل کرنا لازمی سمجھتے تھے اور یہ کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فارسی سے ان کی گہری دلچسپی ان لوگوں کی عالمانہ صلاحیت ودانشمندی کی تشخیص کا ایک اہم معیار بن گئی تھی۔ [۳]

ہم لوگ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ گورکانی بادشاہوں کے دربار میں مختلف مذاہب کے علماء کی بڑی تعداد موجود تھی اور وہ لوگ بادشاہوں مثلاً اکبر اعظم کو اپنے مذہب کی قدیم روایات سے آگاہ رکھنے کے لئے نیز اپنے مذہب کی غیر اخلاقی اور سماجی تعلیمات کو اجاگر کرنے کے لئے اپنی مقدس مذہبی کتابوں مثلاً مہابھارت اور ویدوں کے فارسی ترجمہ میں ہمہ تن سرگرم رہا کرتے تھے۔

و: اس مقالے میں جن ادوار کو موضوع بحث قرار دیا گیا ہے اس میں تیمور لنگ کی اولاد نے ایک مدت تک ایران میں اور کافی لمبی مدت تک ہندوستان میں حکومت کی۔ بظاہر یہ حکمراں صوفی بزرگوں سے غیر معمولی عقیدت رکھتے تھے اور صوفیاء کرام کی بھرپور حوصلہ افزائی کو اپنے لئے باعث فخر وافتخار خیال کرتے تھے لہذا حکمرانوں کے دور حکومت کو صوفی بزرگوں کی تحریک کی عظمت وبزرگی کا دور کہنا زیادہ

مناسب ہوگا کیونکہ تاریخ میں ایسے بے شمار واقعات ملتے ہیں جس میں صوفی بزرگوں سے حکمراں طبقے کی غیر معمولی عقیدت کی نشاندہی ہوتی ہے۔ دوسری طرف ایران میں خاندان صفویہ کی حکومت کی وجہ سے تصوف نے مذہبی رنگ اختیار کرلیا تھا اور علماء شرع وبزرگان متصوفہ کے درمیان گزشتہ صدیوں سے جو اختلافات چلے آرہے تھے وہ بڑی ندرت کے ساتھ دہرائے جارہے تھے۔

اسی وجہ سے اصحاب شریعت اور ارباب طریقت کو ایک دوسرے سے جدا کرنا قدرے دشوار ہے جبکہ ان بزرگوں کو غیر معمولی مقبولیت حاصل تھی۔"۲۲

اس وضاحت کے بعد ایران کے نامور علماء اور دانشوروں کی ایک بڑی تعداد کی ہندوستان کی طرف ہجرت اور ہندوستانی معاشرہ میں ان کی غیر معمولی مقبولیت کے اسباب وعوامل کا اجمالی تجزیہ اس طرح پیش کیا جاسکتا ہے:

آٹھویں صدی ہجری سے گیارہویں صدی ہجری کا زمانہ عظیم سیاسی' سماجی' اقتصادی اور ثقافتی دشواریوں کا زمانہ رہا ہے اور ساتویں صدی ہجری کے آغاز ہی سے مغلوں کے حملات کی وجہ سے ان پریشانیوں کی شروعات ہوگئی تھی اور اس سے قبل کہ ایرانی معاشرہ 'ان اسلامی فوائد سے مالامال ہوتا جس کے بارے میں آخری مغل بادشاہوں مثلاً محمود غازان' محمد خدابندہ اور ابوسعید بہادر خان نے فخرو مباہات کا اظہار کیا تھا' مغل اور تاتاری فوجی اور سیاسی شخصیتوں کے درمیان کشمکش کا سلسلہ شروع ہوگیا اور آخر کار نویں صدی ہجری کے اوائل میں تقریباً سوسال کے لئے تیمور لنگ کے جانشینوں کے لئے حالات کافی سازگار ہوگئے اور اس کے بعد کی صدیوں میں بھی ان کی حکومت کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ شیخ صفی الدین اردبیلی کی اولاد نے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں سنبھال لی اور درحقیقت یہ ثابت کردیا کہ ان کی حکومت ملک ایران اور ایرانی عوام کے حق میں فائدہ مند رہی۔ اس زمانے میں ایسی اجنبی طاقتوں سے کنارہ کشی اختیار کی گئی جنہیں ایران کی اسلامی تہذیب کی بقاو حفاظت کے بجائے ظاہری مفاد و مصالح کی فکر زیادہ تھی چنانچہ یہ طاقتیں سرزمین ایران میں اسلامی تہذیب کی تبلیغ واشاعت کے لئے کسی طرح کی کوئی کوشش نہیں کرتی تھیں۔ بیرونی طاقتوں سے علیحدگی وبیزاری کی اس روش کو ملک کے مختلف علاقوں مثلاً مشرقی ایران اور خراسان میں غیر معمولی فروغ حاصل ہوا۔

جس وقت شاہ اسمٰعیل صفوی نے بڑی شان وشوکت اور شدت وگرمجوشی کے ساتھ ایران میں شیعہ حکومت کی بنیاد رکھی' جنوبی اور مرکزی ایران کے بہت سے لوگوں نے' جو پہلے بھی ہندستان کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوچکے تھے' ہندستان کی طرح کوچ کرنے کا فیصلہ کرلیا اور ہندستان کے ان علاقوں میں سکونت پذیر ہوگئے جہاں علم دوست وادب پرور حکمرانوں کی حکومت قائم تھی اور انہیں حکومت کی طرف سے کسی قسم کی اذیت وپریشانی کی کوئی امید نہ تھی۔ ایک طویل مدت کے بعد سلطان صاحب قران کی دشمن کشی اور سخت گیری کا سلسلہ ختم ہوا اور شاہ عباس صفوی کے دور حکومت میں ماحول میں قدرے تبدیلی واقع ہوئی اور ایرانی عوام نے یہ دیکھا کہ ان کی حکومت معاشرہ کے سیاسی مفاد و مصالح اور سماج کے مختلف طبقوں اور قبیلوں کے درمیان وحدت ویگانگت کی خواہاں ہے۔

۹۳۲ھ میں پورے برصغیر ہندستان پر ظہیرالدین بابر کے ہاتھوں مغل حکومت کی تشکیل ہوچکی تھی' اس حکومت نے سندھ' پنجاب' شمالی ہندستان' بنگال اور دکن کی ان تمام چھوٹی مسلمان

حکومتوں کو اپنے دائرہ اقتدار میں شامل کر لیا جو تغلق بادشاہوں کی کمزوری اور تیمور لنگ کے حملوں کے دوران یعنی ۸۰۰ھ لغایت ۸۰۱ھ ایک آزاد اور خود مختار حکومت کی شکل اختیار کر چکی تھیں۔ چھوٹی مسلم ریاستوں کو مرکزی حکومت کا اہم اور اٹوٹ حصہ دار قرار دینے کے بعد' اس حکومت نے فارسی زبان کو ملک کی سرکاری زبان کا درجہ دے دیا چنانچہ فارسی زبان آخری مغل بادشاہ کے دور حکومت تک ہندوستان کی سرکاری زبان رہی۔ مغل بادشاہوں کی شعر دوستی اور ادب پروری کا چرچا عرصہ دراز سے ہر خاص وعام کی زبان پر رہا کرتا تھا لہذا شعر وادب نے جلد ہی شاہی دربار میں اپنا ایک خصوصی مقام قائم کر لیا اور مختصر سی مدت میں یہ مغل حکومت گلبرگہ کے قدیم بہمنی خاندان' خاندیش کے فاروقی خاندان' کشمیر کے شاہی خاندان نیز عماد شاہی' عادل شاہی' نظام شاہی اور قطب شاہی نامی جدید حکومتی خاندانوں کی جانشین بن گئی۔

اس کے علاوہ مغل حکومت کی تشکیل سے قبل غزنوی حکومتوں کے دوران بھی دربار حکومت میں فارسی زبان افراد کی کثرت تھی اور یہ لوگ دربار حکومت میں اونچے عہدوں پر فائز تھے چونکہ یہ حکمراں ایران سے اس طرف گئے تھے اور ایرانی مشہور تھے لہذا سیاسی' فوجی اور درباری عہدوں کے لئے ایرانیوں کو ہی منتخب کیا کرتے تھے۔

دربار حکومت میں ان علماء مشائخ' شعراء وادباء' قصہ خوانان وافسانہ گویان' ندیمان وسخن سنجان کی کثیر تعداد میں موجودگی کی وجہ سے ان حکمرانوں کی حکومت کی رونق بڑھی ہوئی تھی اور لوگ دربار حکومت کی طرف ہمہ تن متوجہ رہا کرتے تھے اور دوسری طرف ان لوگوں کی ترقی وخوشحالی کو دیکھ کر سرزمین ایران کے دیگر ماہرین علم وادب ہندوستان کی طرف راغب ومائل ہو رہے تھے اور صاحبان عقل وفراست کے دل میں یہ خیال پیدا ہونا فطری تھا کہ ہندوستان میں انہیں زیادہ قدر ومنزلت حاصل ہونے کی توقع ہے۔۵

ہندوستان کی نامور شخصیتوں' نمایاں ہستیوں اور مقامی حکمرانوں کے درمیان ایسا کوئی نہ تھا جس کو فارسی زبان کی عظمت وبزرگی کا اندازہ نہ رہا ہو یا جس نے اپنے دربار سے وابستہ نامور شاعر کی شاگردی وپیروی میں شعر گوئی کے ذریعہ اپنے فضل وکمال کا مظاہرہ نہ کیا ہو۔

"فخری هروی" نے اسے بہت سے ہندوستانی بادشاہوں اور حکمرانوں مثلاً بور خان' ملک حسام الدین' ابوالحسن لالگاہ اور ملک خیر الدین نور انشاہ وغیرہ کا نام لیا ہے جو فارسی زبان میں شاعری کیا کرتے تھے۔ فخری نے ہر حکمراں شاعر کے حالات کے ساتھ ہی ساتھ' اس کی ایک یا چند غزلیں بطور نمونہ نقل کی ہیں جن کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان لوگوں کو فارسی ادب سے غیر معمولی لگاؤ تھا لہذا وہ اس ادب کے فروغ کے لئے خصوصی اہتمام کیا کرتے تھے۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ہروی کی اس تحقیقی کوشش سے اس حقیقت کی نشاندہی بھی ہوتی ہے کہ نویں صدی ہجری سے لیکر دسویں صدی ہجری کے اوائل تک ان حکمرانوں نے پورے ہندوستان میں فارسی زبان کی مکمل ترویج واشاعت میں کیسی نمایاں اور قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔۶

مختصر لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ مختلف حوصلہ منداسباب وعوامل کی موجودگی کی وجہ سے دسویں اور گیارھویں صدی ہجری کے دوران فارسی شاعری کے میدان میں ایک مخصوص شعری سبک وروش کی ایجاد ہوتی ہے جس کو سبک ہندی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ سبک صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ ایران' ماوراءالنہر اور ترکی کے فارسی شعراء کے درمیان بہت مقبول ہوا۔ فارسی شعر وادب میں سبک ہندی کی مقبولیت کی اہم ترین وجہ ہندوستان میں اس سبک میں شعر کہنے والے معتبر اور نمایاں شاعروں کی بہت بڑی تعداد کی موجودگی رہی ہے چیک سلواکیہ کا مشہور ادیب "جان ریپکا" لکھتا ہے کہ "عرفی' فیضی' فصیحی' شوکت' بیدل وغیرہ جیسے نامور شعراء کے زیر اثر سبک ہندی نے فارسی شاعری پر غلبہ حاصل کر لیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ سبک ہندی کیا ہے؟ یہ ایسا سبک شاعری ہے جس نے تیموری دور کی بعض شعری خصوصیات کو قبول کر لیا جس کی مثال حافظ شیرازی اور ان کے ہمعصر شعراء کے کلام میں بلکہ ان سے پہلے کے فارسی شاعروں مثلاً امیر خسرو کے کلام میں بدرجہ اتم دکھائی دیتی ہے۔ قدماء کی شعری خصوصیات میں قدرے اضافہ کرکے اسے مخصوص اور پسندیدہ انداز بیان کی حیثیت سے پیش کر دیا گیا۔ یہ طرز شاعری بہت مقبول ہوا اور ہندوستان میں اس کو مقبولیت عام حاصل ہو گئی لیکن اس حقیقت کا اعتراف لازمی ہے کہ سبک ہندی کے نامور شعراء ایران میں پیدا ہوئے اور اس طرز شاعری کو ہندوستان کے ساتھ ہی ساتھ ایران میں بھی یکساں فروغ حاصل ہوا اور ایرانی شاعروں نے اس فن میں اپنی استادانہ مہارت کے بہترین نمونے پیش کئے۔۷

مذکورہ سبک کی وسعت واشعار میں پیچیدہ الفاظ ومعانی کو استعمال کرنے والے شاعروں کی

کثرت اور نکتہ پردازی میں ظرافت کو منزل کمال تک پہونچانے والے تحقیق کاروں کی تعداد میں اضافہ کا یہ سلسلہ عہد افشاریہ اور زندیہ کے اواسط تک جاری رہا۔ اس دور کی شاعری لفظی و معنوی صناعت شعری سے پوری طرح مالامال تھی سبک عراقی و سبک خراسانی کے مقابلے میں اس زمانے میں ایران نے سبک ہندی میں لکھنے والے بے شمار شاعر پیدا کئے۔ ان کی تعداد گزشتہ ادبی ادوار سے بہت زیادہ تھی۔ یہ سچ ہے کہ اس سبک کی ترویج کے ساتھ اس دور میں آقا حسین خوانساری اور امیر ابوالقاسم فندرسکی وغیرہ جیسے بہت

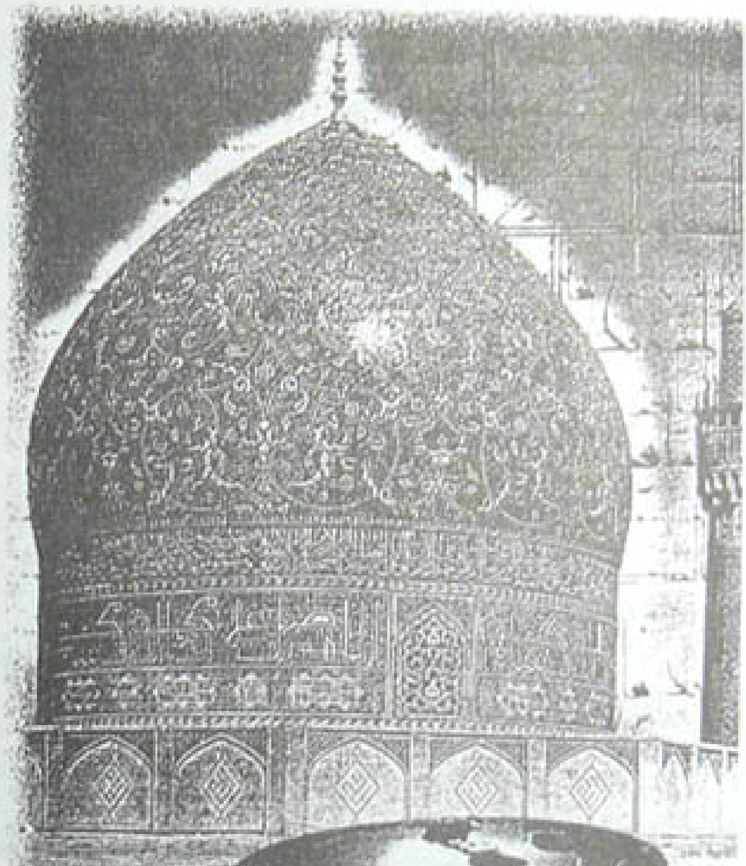

سے ایسے شاعر بھی موجود تھے جنہیں قدما کے رنگ میں شعر کہنے میں خصوصی دلچسپی تھی لیکن محتشم، عرفی، فیضی، صائب تبریزی وغیرہ جیسے نامور اور نمایاں شاعروں کی موجودگی سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے کلام میں جاذبیت و پسندیدگی کی فراوانی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اس دور و سبک کے بعض شاعروں کے کلام میں ذوق و حوصلہ کی کمی بھی دکھائی دیتی ہے لیکن مجموعی طور پر اس دور کی شاعری نے اپنی جاذبیت و دلکشی کو پوری طرح محفوظ رکھا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایرانی شاعروں اور ادیبوں نے اپنی قوم کی ثقافتی زندگی کے بہت بڑے حصے کو ہندستانی سلاطین اور دیگر مقامی حکمرانوں کے دربار میں منتقل کر دیا اور ان بڑے ونامور شاعروں کی ہم نشینی کی وجہ سے ہندو شاعروں کو بھی فارسی زبان سے غیر معمولی رغبت پیدا ہو گئی تھی لہذا ان لوگوں نے بھی اس زبان میں طبع آزمائی کی اور فقط شعر و شاعری ہی نہیں بلکہ نثر کے میدان میں بھی گرانقدر تصانیف پیش کیں ان میں سے درجۂ اول کی ایسی شخصیتیں بھی ابھر کر سامنے آئیں جو ساری زندگی ہندستان میں رہتے ہوئے فارسی شعر و ادب کی خدمت میں سرگرم رہیں اور ان میں بعض لوگوں نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ ایران اور اس کے پڑوسی علاقوں میں بسر کیا۔

پس سبک ہندی میں دونوں ممالک میں رائج الفاظ و کلمات اور استعارات و کنایات کی آمیزش کا موجود ہونا ایک فطری بات ہے پس اگر سبک ہندی کو ہندستان اور ایران جیسی قدیم تہذیب و ثقافت کا

اس کے علاوہ مغل حکومت کی تشکیل سے قبل غزنوی حکومتوں کے دوران بھی فارسی زبان افراد کی کثرت تھی اور یہ لوگ دربار حکومت میں اونچے عہدوں پر فائز تھے۔

واضح رہے کہ فارسی زبان کی ترویج و مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ اکثر علاقوں میں لوگ اس بات کو ترجیح دیا کرتے تھے کہ اہم اور یادگاری تصانیف اسی زبان میں لکھیں تاکہ زیادہ لوگ ان کی تصنیف سے فائدہ حاصل کر سکیں۔

ترجمان کہنا مبالغہ نہ ہوگا۔ اگرچہ زبان وادب میں استعمال کئے گئے بعض مضامین نا آشنا معلوم ہوتے ہیں لیکن ان میں بھی شاعر وادیب کے ذوق وحوصلہ اور صلاحیت واستعداد کا جلوہ کار فرما دکھائی دیتا ہے۔ ریپکا کا خیال ہے کہ "اس دور کے شعروادب کا سابقہ ادب سے یہ اختلاف ہے کہ ماضی میں مضامین وخیالات کی تکرار کے باوجود جو ادبی سرمایہ دکھائی دیتا ہے وہ نہایت گرانقدر ہے اور اس کم مائگی کو حقیقی زوال وانحطاط کی علامت قرار دیا جاسکتا ہے لیکن دوسری طرف سبک عراقی وسبک خراسانی کی جانشینی حاصل کرنے والے اس نئے سبک میں اور زیادہ گہری کوشش کی گئی تو صفوی دور سے لیکر آج تک لوگوں کے نظریات پر کتری کا جو فیصلہ حکمفرما رہا ہے اس میں اس سبک کے حق میں سابقہ نظریات کی تبدیلی یقینی ہے۔"۸

دوسری عبارت میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہندستان میں اس سبک کا غیر معمولی رواج اس بلند ہمتی کی علامت ہے کہ لوگ مہربان پڑوسی ملک کو اپنی زندگی اور آزاد خیالی کی پناہ گاہ بنائے ہوئے تھے۔ اگرچہ یہ لوگ اپنے اصلی ثقافتی مرکز سے دوری اختیار کئے ہوئے تھے پھر بھی درحقیقت یہ زنجیر کی ان کڑیوں کی مانند ہیں جنہوں نے ان علاقوں میں زندگی بسر کرنے والے لوگوں کی سرگرم سماجی اور ادبی زندگی کو ایک دوسرے سے جوڑ رکھا ہے۔ ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا لکھتے ہیں کہ "صفوی دور کی شاعری کا مطالعہ اور اس کی تاریخ کا بیان سبک ہندی کے ان نامور بزرگوں کے احوال وآثار کی طرف رجوع کئے بغیر بالکل ناقص ہوگا۔ آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس عہد میں فارسی شاعری کی ترقی کی بات تو کی جائے اور فیضی وبرہمن وغنیمت وبیدل جیسے دیگر نامور شعراء کا کوئی ذکر نہ کیا جائے۔"۹

قابل ذکر بات یہ ہے کہ ہندستان میں ایران کے نامور مہاجر دانشمندوں نے صرف یہ کہ شعروادب کے میدان میں بلند مقام حاصل کیا اور ہندوستان کے چھوٹے بڑے درباروں میں ایسی نمایاں حیثیت حاصل کرلی کہ حکمراں طبقہ انہیں ہر قدم پر اپنے ساتھ رکھنے کے لئے مجبور تھا بلکہ سیاسی، فوجی، اقتصادی اور سماجی شعبوں میں بھی ان مہاجر ایرانیوں نے بلند مرتبہ حاصل کررکھا تھا۔ یہ لوگ اپنی خوش اخلاقی، خدمتگذاری، وفاداری اور فداکاری اور غیر معمولی مہارت ودانشمندی کی وجہ سے میزبان ملک کی زندگی کے ہر شعبہ کو پوری طرح متاثر کئے ہوئے تھے اور تمام شعبوں میں اہم عہدوں پر فائز تھے یہاں تک کہ اس حاصل خیز ومختلف النوع ذخائر سے مالامال سرزمین پر انگیریزوں کے تسلط کے زمانہ تک نہ صرف یہ کہ فارسی ملک وملت کی سرکاری اور عمومی زبان تھی ۱۰ بلکہ اکثر بلند مرتبہ سیاسی اور سفارتی شخصیتیں ایرانی نژاد تھیں۔ مثلاً صفوی دور سے لیکر قاجاری دور کے اواسط تک وہی لوگ ایران میں ہندستانی سفیر بنا کر بھیجے گئے جو ایرانی نژاد تھے اور ہندستان میں قیام پذیر ہوگئے تھے۔

یہ نکتہ بذات خود اس کی تائید ہے کہ ایک طرف تو ان لوگوں کو اپنے آباء واجداد کی سرزمین سے بڑا گہرا لگاؤ اور پیار رہا ہے اور صدیوں اپنے اصلی وطن سے دور رہنے کے بعد بھی ان لوگوں نے سرزمین ہند اور ہندستانی سلاطین کے دربار میں اپنی شخصیت کو اتنا معتبر اور معتمد بنالیا تھا کہ انہیں ایرانی دربار میں اعلیٰ ترین ہندستانی نمائندہ بنا کر بھیجا جاتا تھا کہ یہ ایران میں ہندستانی مفاد ومصالح کی حفاظت کا کام انجام دیں۔

اس زمانے میں ہندستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کے کتب خانوں میں فارسی زبان میں ایک عظیم ادبی، تاریخی، سیاسی اور علمی ذخیرہ موجود ہے جو برصغیر ہند اور ایران کی مشترکہ ثقافتی میراث ہے اور مرکز تحقیقات فارسی کی جانب سے ان میں سے بعض اہم ادبی شہ پاروں کی اشاعت بھی ہوچکی ہے۔۱۱

آخر کلام میں یہ کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سرزمین ہندستان میں مقیم ایرانیوں کی صادقانہ ومخلصانہ خدمات کا تجزیہ اس مختصر سے مقالے میں ہرگز ممکن نہیں ہے بلکہ اس مقالے کے لکھنے کا مقصد محققین کو ان عظیم علمی وادبی خزانوں کی طرف متوجہ کرنا ہے جو برصغیر کے علمی وادبی مراکز میں محفوظ اور صاحب استعداد محققین کو دعوت تحقیق دے رہے ہیں۔

حوالے:

۱۔ حکیم حبیب الرحمن، ثلاثہ غسالہ، مطبوعہ مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان ص۔۷
۲۔ ایضاً ص۔۷
۳۔ کتاب بحر العبادت کی وضاحت کے ذیل میں اسی ماخذ کے ص۔۶ اور ۷ پر
۴۔ ذبیح اللہ صفا، تاریخ ادبیات در ایران جلد چہارم، چاپ دوم ص۔۲۶ سے ص۔۴۷ تک
۵۔ محمد قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ، مطبوعہ ہند جلد او ۲
۶۔ فخری ہروی، روضۃ السلاطین، مطبوعہ ۱۹۶۸ء حیدر آباد ص ۳۲ اور اس کے بعد
۷۔ تاریخ ادبیات ایران ترجمہ ڈاکٹر عیسیٰ شہابی ص۔۳۶۸
۸۔ ایضاً ص۔۳۶۵ تا ص ۲۶۶
۹۔ تاریخ ادبیات در ایران جلد پنجم، قسمت دوم مقدمہ
۱۰۔ مراۃ المجالس سلاطین گورکانی ہند۔ قلمی نسخہ در کتابخانہ کیمبرج یونیورسٹی لندن
۱۱۔ ثلاثہ غسالہ۔ ص ۱۳

آپ کا صفحہ

قارئین کرام! اسلام علیکم

ادارہ ماہنامہ راہ اسلام نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ رسالے کے اس صفحے کو آپ کے حوالے کر دے لہٰذا آپ حضرات اس صفحے میں شائع شدہ مقالات پر اپنے خیالات کا اظہار، رسالے کو بہتر بنانے کے لئے اپنے مفید مشورے اور اپنی کار آمد تجاویز ارسال کر سکتے ہیں۔

ماہنامہ راہ اسلام کے شمارہ ۱۴۵۔۱۴۴ میں قرآنی علوم پر مشتمل ایک علمی مقابلے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ ذیل میں مقابلے کا نتیجہ اور سوالوں کے صحیح جوابات پیش کئے جا رہے ہیں۔ (ادارہ)

قرآنی علوم کا مقابلہ

قارئین کرام!

جیسا کہ آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ راہ اسلام کے شمارہ ۱۴۴۔۱۴۵ میں قرآنی علوم سے متعلق ایک انعامی مقابلہ کا اہتمام کیا گیا تھا جس کا آپ لوگوں نے بھرپور استقبال کیا اور ہندوستان کے دور دراز علاقوں سے لوگوں نے اس مقابلے میں شرکت فرمائی اور سوالوں کے جوابات ارسال فرمائے جس کی وجہ سے اس علمی مقابلے کا اہتمام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی ہوئی اور آپ کی علمی و مذہبی لگن و دلچسپی کا احترام کرتے ہوئے تاریخ اسلام اور اسلامی اعتقادات پر مشتمل ایک اور علمی مقابلے کے اہتمام میں سرگرم ہو گئے جس کا اعلان آئندہ شماروں میں کیا جائے گا۔

ذیل میں قرآنی علوم مقابلے میں پوچھے گئے سوالوں کا صحیح جواب نقل کرنے سے پہلے چند اہم نکات کی وضاحت لازمی معلوم ہوتی ہے۔

۱۔ جیسا کہ آپ لوگوں نے خود ہی مطالعہ کیا ہوگا کہ ۳۹ویں سوال کے ممکن جوابات میں ۳۱ کے بجائے ۳۰ ٹائپ ہو گیا تھا اسی وجہ سے سوال نمبر ۳۹ کو مقابلے سے خارج کر دیا گیا۔

۲۔ درج ذیل پانچ لوگوں کے جوابات میں صرف ایک غلطی تھی باقی سبھی جواب درست تھے انہیں پانچ لوگوں نے مقابلے میں پہلی پوزیشن حاصل کی ہے لہٰذا ایک ایک ہزار روپیہ انعام کی رقم ان کے پتہ پر ارسال کر دی جائے گی۔

۱۔ جناب علی عباس ۲۔ جناب محمد حسین کرگلی ۳۔ جناب شاداب جعفری ۴۔ جناب بادشاہ حسین ۵۔ جناب حفیظ الرحمٰن۔

۳۔ مندرجہ ذیل افراد بھی لائق تحسین وستائش ہیں کیونکہ ان کے زیادہ تر جوابات صحیح تھے اور بہت معمولی سی غلطیاں رہ گئیں تھیں لہٰذا اگر وہ اپنا مطالعہ جاری رکھتے ہوئے آئندہ مقابلوں میں حصہ لیں تو کامیابی یقینی ہے۔

۱۔ محترمہ نفیس فاطمہ ۲۔ محترمہ نکہت فاطمہ ۳۔ جناب چراغ حسن کامل ۴۔ جناب جمیل الحسن چھولسی ۵۔ جناب شہنشاہ حسین ۶۔ محترمہ شمشاد زہراء ۷۔ جناب شمیم عابد ۸۔ جناب ب۔ ھ۔ جعفری

۹۔ جناب اظہر الدین ۱۰۔ محترمہ اسماء خاتون ۱۱۔ جناب تنویر عالم ۱۲۔ جناب اشتیاق احمد ۱۳۔ جناب ابوالکوثر ۱۴۔ جناب حافظ ابوالفیض ۱۵۔ جناب محمد جہانگیر مظاہری ۱۶۔ جناب نوشاد جعفری۔

صحیح جوابات

سوال	الف	ب	ج	د
۱		■		
۲	■			
۳				■
۴	■			
۵			■	
۶				■
۷		■		
۸				■
۹		■		
۱۰				■
۱۱	■			
۱۲		■		
۱۳	■			
۱۴			■	
۱۵				■
۱۶	■			
۱۷		■		
۱۸			■	
۱۹				■
۲۰	■			
۲۱	■			
۲۲			■	
۲۳				■
۲۴			■	
۲۵		■		
۲۶	■			
۲۷				■
۲۸		■		
۲۹				■
۳۰			■	
۳۱	■			
۳۲		■		
۳۳				■
۳۴	■			
۳۵			■	
۳۶				■
۳۷	■			
۳۸		■		
۳۹				
۴۰	■			